

سدھا: "بہس، نہہار الیکٹریک پیپر کا ہے۔ ان کی حالت دیکھ کر ترس آتا ہے کتنے تھے گھر
بیں کوئی پورچھنے والا نہیں۔ نہ اکانہ بالا، کس سے جی بہلا دیں؟ جب سے دوسرے مکان
بیں اٹھا آئے ہیں۔ بہت ملول رہتے ہیں۔"

زملاء؟ لڑکے تو ایشور دیجے ہوئے دوہیں۔"

سدھا: "ان دونوں کی تو بڑی مشکابیت کرتے تھے جیا رام تو اب بات ہمیں نہیں سنتا
تھا کی بتکر گل جواب دیتا ہے اور چھوٹا وہ بھی اسی کے کہنے میں ہے۔ بیچارے بڑے لڑکے کو
یاد کر کے روایا کرتے ہیں۔"

زملاء؟ جیا رام تو شرمند تھا۔ وہ شرارت کب سے سکھ گیا؟ میری نوکری بات ٹھان
تھا۔ اشارہ پر کام کرتا تھا؟"

سدھا: "کیا جانے بہن، سنا، کہا کرتا ہے کہ آپ ہی نے بھیا کو زہر دے کر مار دالا
ہے۔ آپ جنیوارے ہیں۔ کہی بار تم سے بیاد کرنے پڑھنے دے چکا ہے۔ ایسی ایسی باتیں کتنا
ہے۔ کہ دکیل صاحب رو دیتے ہیں! اور تو کیا کہوں، ایک روز پتھر اٹھا کر مارنے دوڑا تھا۔"
زملائے گھری سوچ میں پڑ گئے کہا۔ یہ لڑکا تو بڑا شیطان نکلا۔ اس سے یہ کس نے کہا کہ
اس نے بھال گو انخوں نے زہر دیا؟"

سدھا: "وہ تمہیں سے تھیک ہو گا۔"

زملائوں کو نئی فکر پیدا ہیں۔ اگر جیسا کاہی رنگ ہے، اپنے بھائی سے لڑنے پر تیار رہتا ہے۔
تو مجھ سے کیوں دے لے گا، وہ بات کو بڑی دیر تک اسی فکر میں ڈولی رہی۔

مسلا امر کی آج اُسے بہت یاد آئی۔ اس کے ساتھ زندگی آرام سے گزر جاتی۔ اس لڑکے کا
جہا اپنے بھائی کے سامنے ہی یہ حال ہے تو ان کے بعد اس کے ساتھ کیسے نباہ ہو گا ممکن
ہا تھا سے تخلی ہی گیا، کچھ نہ کچھ قرض ہو گا ہی۔ آمد فی کا یہ حال، ایشور ہی بڑا اپارکا ہیں۔ لہذا
بسی بار زملائوں کو کیاں فکر پیدا ہوئی۔ اس بیچاری کا نہ جانے کیا حال ہو گا۔ ایشور نے یہ صیحت
بھی سپرد ڈال دی۔ تجھے تو اس کی ضرورت نہ تھی۔ پیدا ہونا ہی تھا تو کسی بھاگوں کے گھر
بینداز ہوتا۔ بچی اس کے سینے سے لپٹی ہوئی سورہی تھی مان لے اس کو اور بھی لپٹا لیا۔ گرویا کوئی
اس کے ہاتھ سٹا سے حصینے لیے جا ہے؟"

زملائے کے پاس ہیں سدھا کا پلٹنگ بھی تھا۔ زملاء تو محفل فکر میں غرق ہو رہی تھی اور سدھا
خواب شیریں کا لطف انھار ہی تھی۔ کیا اسے اپنے بچے کی فکر ستائی ہے موت تو پڑھا اور جوان
کا انتباز نہیں کرتی۔ پھر سدھا کو کیوں کوئی فکر نہیں ستاتی؟ اسے تو کبھی مستقبل کی فکر سے

او اس نہیں دیکھا۔
و فتا سدھا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے نرملہ کو ابھی تک جانے دیکھا بولی اور ابھی
تو سوتی نہیں؟“

نرملہ: نیشور بن نہیں آتی۔“

سدھا: آنکھ بند کر لونیند آپ ہمیں آجائے گے۔ میں تو پلٹک پر لیٹتے ہی مرحوم جات ہوں۔
وہ جانے ہیں تو خبر نہیں ہوتی۔ نہ جانے مجھے کیوں اتنی نیند آتی ہے۔ شاید کوئی عارضہ ہے؟“
نرملہ: ہاں ٹرا بھاری ہے۔ اسے راج روگ کہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے کہو کہ علاج
شرودھ کر دیں۔“

سدھا: تو آخر جاگ کر کیا سوچوں؟ کبھی کبھی ماں کے کیا داد جاتی ہے تو اس روز ذرا دیر سے
آنکھ لکھتی ہے۔“

نرملہ: ڈاکٹر صاحب کی یاد نہیں آتی؟“

سدھا: کبھی نہیں۔ ان کی یاد کیوں آتی؟ جانتی ہوں کہ ٹینس کھیل کر آئے ہوں گے،
کھایا ہو گا۔ اور آرام سے لیے ہوں گے۔“

نرملہ: نہوں بھی جاگ رکھا۔ جب تم جانیں تو سجلہ وہ کیوں سونے لگا؟“

سدھا: ہاں بہن! اس کی بھیب عادت ہے۔ میرے ساتھ سوتا ہے۔ اور میرے ساتھ
بھی جانکنا ہے۔ اس جنم کا کوئی سادھو ہے۔ دکھو اس کے ماتھے پر نلک کا کیسانشان ہے۔
بازروں پر بھی ایسے ہی نشانات ہیں۔ ضرور کوئی سادھو ہے۔“

نرملہ: سادھو تو چند نلک نہیں لکھاتے، اس جنم کا کوئی سکار پچار می ہو گا کیوں نے
نکھاں کا پچار کیا تھا؟ بننا!

سدھا: اس کا بیاہ ہیں اس بھی سے کروں گی۔“

نرملہ: چلو بہن جمالی دیتی ہو۔ بہن سے بھی بھائی کا بیاہ ہوتا ہے؟“

سدھا: میں تو کروں گی اخواہ کوئی پکھ کہے۔ ایسی خوبصورت بہرا اور کہاں پاؤں؟
زرادیکھو تو بہن! اس کا بدن کچھ گرم ہے یا بھی کو معلوم نہ ہتا ہے؟“

نرملہ نے سوہن کا ماتھا چھو کر کہا۔ نہیں نہیں، بدن گرم ہے! یہ بخار کب آگیا؟ رودھ
تپل رہا ہے نہ؟“

سدھا: ابھی سویا تب تو بدن مرد تھا۔ شاید سردی لگ گئی۔ اڑھا کر سلاٹے دیتی ہوں۔
سویرے نگ نہیں ہو جانے کا۔“

سویرا ہوا تو سوہن کی مالت زیادہ خراب ہو گئی۔ اس کی ناک جاری ہو گئی اور بخار بھی تیز ہو گیا۔ آنکھیں چڑھ گئیں۔ اور سر جھک گیا۔ ندوہ با تھوپ پیر ٹلاتا تھا۔ اندھہ سفتا بولتا تھا پس چپ چاپ پڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ اس کو اس وقت کسی کا بولنا اچھا نہیں لگتا۔ کچھ کچھ کھانسی بھی آنے لگی۔ اب تو سدھا گھر اُن۔ نرملائی سمجھی رائے ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب کو بلا یا جادے۔ مگر اس کی بوڑھی ماں نے کہا۔ ڈاکٹر کا بیہان کچھ کام نہیں۔ صاف یہ دیکھو رہی ہوں کہ کچھ کو نظر لگ کر گئی ہے۔ بھلاڑا ڈاکٹر آکر کیا کرے گا۔

سدھا آماں؛ بھلاڑا بیہان نظر کون لگاؤ لے گا؟ ابھی تک تو باہر گیا بھی نہیں۔“
یا ان نظر کوئی لگاتا نہیں میں، کسی کسی ادمی کی نظر ہی بد ہوتی ہے۔ وہ آپ ہی آپ لگ جاتی ہے۔ کبھی کبھی ماں ماپ نک کی نظر لگ جاتی ہے۔ جب سے آیا ہے۔ ایک بار بھی نہیں رو یا۔ فتحے بخوبی کی بیگت ہوتی ہے۔ یہ تو اسے جھکتے ہیں دیکھ کر ذریعی سخن کے کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ آنکھیں نہیں دیکھتی ہو کتنی چڑھ گئی میں یہی نظر کی ٹہری پہچان ہے۔“

بڑھا مہری اور ثروں کی مہراجن نے اس بات کی تائید کی۔ لب مہنگو اوجھا بلایا گی۔ مہنگو نے آخر بجے کامنہ دیکھا اور مہس کریو لا۔“ مالکن! یہ ذہن ہے اور کچھ نہیں۔ ذرا پتی پتل تیلیاں تو منگوں کیجئے۔ بھجنوں نے چاہا تو سانجھ نک پکھے منہنے کھیلنے لگے گا۔“

سر کندے سکے پانچ نکڑے لائے گئے مہنگو نے انکھیں برابر کر کے ایک تاگے سے بعد دیا۔ اور کچھ زیر لب کہنے ہوئے انکھیں سے ڈھیلے بانخوں کے ساتھ پانچ بار سوہن کا سر سہلا یا اب جود ٹیکھا تو پانچوں تیلیاں گھٹ بڑھ گئیں سخیں۔ سب عورتیں یہ تماشا دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ اب نظر لکھنے میں تکس کو شہرہ ہو سکتا تھا، مہنگو نے پھر بچے کو تیلیوں سے سہلانا شروع کیا۔ اب کے تیلیاں برابر نہ گئیں۔ صرف ذرا سافر ق رہ گیا۔ یہ اس امر کا ثبوت تھا کہ نظر کا اثرا بخوبی ادا اور باقی رہ گیا تھا۔ مہنگو سبز کو تسلی دے کر شام کو پھر آنے کا وعدہ کر کے ملا گیا۔ لڑکے کی مالت دن میں اور اب تر ہو گئی۔ کھانسی شدت سے آنے لگی شام کے وقت مہنگو نے اسگر پھر تیلیوں کا تناش کیا۔ اس وقت پانچ تیلیاں برابر نکلیں، بیہان نک کر کئی بار اس کی آنکھیں الٹ گئیں۔ سدھا اور نرملائی نے میٹھ کر سویرا کر دیا۔ خیر رات نجیرت تمام ہو گئی۔ اب بوڑھی ماں جی نیار نگ لائیں۔ مہنگو نظر نہ اتار سکا۔ اس لیے اب کسی مولوی تھے بخونک ڈلوانا ضروری ہو گیا۔ سدھا پھر بھی اپنے شوہر کو مطلع نہ کر سکی۔ مہری سوہن کو چادر میں لپیٹ کر ایک مسجد میں لے گئی۔ سدھا نے آج دلی میں ارادہ کر لیا کہ رات خیریت سے یمندری تو علی الصلوٰح شوہر کو تار دوں گی۔

گھر رات خیریت سے نہ گزرنے پائی۔ آدھی رات ہوتے ہو تے بچپہ ہاتھ سے نکل گیا۔ سدھا کام سواریہ حیات دیکھتے دیکھتے اس کے ہاتھوں سے جھپن گیا! دبیں ہیں کے بیاہ کا دو روز سپلے کھیل ہو رہا تھا اسے سارے گھر کو مولانا ہا بے جس کی بھولی جمالی صورت دیکھ کر ان ماں کی چھاتی پھٹ جاتی تھی۔ سارا گھر سدھا کو سمجھانا تھا۔ مگر اس کے آنسو نہ تھتھے تھے، صبر نہ ہوتا تھا۔ سب سے ٹیار تھے اس بات کا تھا کہ شوہر کو کونسا منہ دکھاؤں گی کہ انہیں خبر تک نہ دی۔

رات ہی کوتار دے دیا گیا۔ اور دوسرا روز دیکھنے کے لئے موڑ پر آئیں سدھا نے ان کے آنے کی خبر پالی تو اور بھی زار و قطرار رو نہ لگی۔ بچپہ کی نقش کو دریا میں ڈال دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کنی بار اندر آئے۔ مگر سدھا ان کے پاس نہ کئی۔ ان کے سامنے کیسے جائے؟ انہیں کونسا منہ دکھائے؟ اس نے اپنی حماقت سے ان کی زندگی کے انمول جواب کو جھپین کر دریا میں ڈال دیا تھا! اب ان کے پاس جاتے ہوئے اس کی چھاتی پھٹی جاتی تھی۔ بچپہ کو اس کی گودی میں دیکھ کر باپ کی آنکھیں چمک اکھتی تھیں۔ بچپہ کر باپ کی گود میں چلا جاتا تھا۔ ماں پھر بلا تی تو باپ کے سینے سے لپٹ جاتا تھا۔ اور لاکھر لاذ پیار سے بلانے پر سمجھی باپ کی گود نہ چھوڑتا تھا۔ ماں کہتی تھی۔ بڑا مطلبی ہے۔ آج وہ کے گود میں لے کر شوہر کے آگے جلتے گی؟ اس کی سولی گود دیکھ کر کہیں وہ چلا کر رونہ میں اشوہر کے سامنے جانے کی بہ نسبت اسے مر جانا کہیں سہل معلوم ہوتا تھا۔ وہ ایک لمبے کے لیے بھی نر ملا کو نہ چھوڑتی تھی، کہ کہیں شوہر کا سامنا زہ جاوے۔

فرملاتے کہا: ”بہن! اب جو ہوتا تھا۔ وہ تو مجھے چکا۔ اب ان سے کب تک بھاگتی پھوگ؟“ رات ہی کو چلے جائیں گے، ماں کہتی تھیں۔

سدھا نے آنسو بھری ہاتھوں سے دیکھتے ہوئے گھاہ کو نہ منہ لے کر ان کے پاس جاؤ؟ مجھے ڈر لگتا ہے کہ ان کے سامنے جاتے ہی میرے پاؤں نہ تھرانے لگیں اور گرنہ پڑوں۔“ فرملا: ”علیوں میں متبارے ساتھ علیتی ہوں، تمہیں سنبھالے رہوں گا۔“

سدھا: ”مجھے چھوڑ کر بھاگ تو نہ آؤ گی؟“

فرملہ: ”نہیں نہیں! بھاگوں گی نہیں۔“

سدھا: ”میرا الہی بھ تو ابھی سے امدا آتا ہے۔ میں اتنی سخت مصیبت پر نے پر بھی سبھی ہوں۔ مجھے تعجب ہو رہا ہے۔ سو ہن کو وہ بہت پیار کرتے تھے۔ میں از جانے ان کے دلی کی کیا عالم ہو گی۔ بہن انہیں ڈھار س کیا دوں خود ہی روئی ہوں گی۔ میرات ہی کو جائیں گے؟“

نر ملاز ہاں، اماں جی کہتی تھیں، خصت نہیں لی ہے۔ دونوں سہیلیاں مردا کر کے کی طرف پلپس، لیکن کمرے کے دروازے پر منجھ کر سدھانے نر ملاکو خصت کر دیا۔ تمہاگرے بیس داخل ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب گھبرار ہے تھے۔ جانے کو تیار تو منجھے تھے مگر دل دنچا ہتا تھا۔ زندگی سے سی معلوم ہوتی تھی۔ دل ہی دل میں کڑھر ہے تھے۔ اگر ایشور کو اتنی مہل دی یہ چیز دے کر چھین لبھی تھی تو دمی کیسے تھی؟ انھوں نے تو کبھی اولاد کے لیے ایشور سے التجا نہ تھی وہ تمام عمر بے اولاد رہ سکتے تھے۔ مگر اولاد یا اگر اس سے محروم ہو جانا انھیں ناقابل برداشت معلوم ہوتا تھا۔ بسی اوقیان انسان ایشور کے ہاتھوں کا گھلومنا ہے یہی انسانی زندگی کی اہمیت ہے! وہ بچوں کا گھر دندا ہے جس کے بننے کا کوئی سبب ہے نہ بڑھنے کا پھر بچوں کو کبھی اپنے گھر وندے سے، اپنی کاغذی کشتوں سے، اپنے لکڑی کے گھوڑوں سے محبت ہوتی ہے اپنے گھلوچے کو وہ مہماں کے سچھے کر رکھتے ہیں۔ اگر ایشور بچہ ہی ہے تو عجیب بچہ ہے۔ مگر عقل سلیم تو ایشور کی ایسی شکل کو قبول نہیں تھرتی۔ لاحد و غلقت کا غالی مشریعہ بچہ نہیں ہو سکتا۔ ہم اسے ان تمام اوصاف سے متصف کرتے ہیں جو ہمہ میں عقل کے پرے ہیں۔ کھلاڑی ہن تو ان زبردست اوصاف میں ہیں! کیا ہنتے کھلتے بچوں کی جان لے لینا کوئی کھیل ہے؟ کیا ایشور ایسے شبیطانی کھیل کھیلتا ہے؟

رفعتاً سدھاد بے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب انھوں کھڑے ہو گئے۔ اور اس کے پاس جا کر بولے: تم کہاں تھیں۔ سدھا؟ میں تمہاری می راہ دیکھ رہا تھا!

سدھائی آنکھوں میں کمرے تیزتا ہوا معلوم ہوا۔ شوہر کی گردان میں ہاتھ دال کر اس نے ان کے سینے پر سر کھد دیا اور دنے لگی۔ لیکن اس روئے میں اسے عصبروں تکین کا احساس ہوا رہا۔ شوہر کے سینے سے لپٹی ہوئی دہائی دل میں ایک عجیب طاقت و تازگی پیدا ہوئی نہ سوسک گرتی تھی گو یا ہوا سے ہلتا ہوا پر اغ اچھل کی اونٹ میں آگیا ہو۔

ڈاکٹر صاحب نے ایلیہ کے اشک آلو دہ رخساروں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر کہا۔ سدھا! تم اتنا جھوٹا دل کیوں کر لی ہو؟ سو ہن اپنا زندگی میں جو کچھ کرنے آیا تھا اسے کر چکا تھا۔ پھر و د کیوں میٹھا رہتا؟ جیسے کوئی درخت پانی اور دھوپ سے ٹھہتا ہے مل ہوا کے تند جھوٹکوں سے مجبو طہ ہوتا ہے۔ اسی طرح محبت میں بھی ارکخ تی جوٹ ہی تے ارتقاء ہوتا ہے خوشی میں ساتھ نہیں والے بہت مل جاتے ہیں، سچے میں جو ساتھ روئے وہی ہمارا سچا دوست ہے! جن دوستوں کو ساتھ رونا نہیں فضیب ہوا وہ محبت

کے نزدیک کیا جائیں؟ سوہن کی موت نے آج ہماری دُلگی کو بالکل شادیا۔ آج ہم نے ایک دسرے کامپار دب دیکھا ہے۔ سدھانے سکتے ہوئے گہا۔ میں نظر کے دھوکے میں تھی ہائے تم اس کامنہ سمجھی نہ دیکھ پائے۔ نہ جانے ان دونوں اتنی سمجھا سے کہاں ہے آگئی تھی۔ جب مجھے روئے دیکھتا تو اپنی تحفیظ بھول کر سکرا دتا۔ غیرے ہی روز بیرے لاذلے کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ پچھو دادار و بھی نہ دیئے پالا۔

یہ کہتے کہتے سدھا کے آنسو پھر امنڈ آئے۔ ڈاکٹر سہما نے اسے سینے سے لگا کر رفت بھری آواز میں کہا۔ ہماری! آج تک کوئی ایسا بچہ بابوڑھانہ مرا ہو گا جس کے گھر والوں کی دادا رودال خراہش بوری ہو گئی ہو۔

سدھا: ”نہ ملائے میری بڑی مددگی۔ میں تو ایک آدمی حبکی لے بھی لیتی تھی۔ مگر اس کی آنکھیں نہیں جھپکیں۔ رات رات بھر لیے بھی یا مٹھلاتی دہتی تھی۔ اس کا احسان کسی بھی نہ بھولوں گی۔ کیا تم آج ہی حاصل ہے ہو؟“

ڈاکٹر: ”ہال رخصت لینے کا موقع نہ تھا۔ سوں سو جن شکار کھلینے گیا ہوا تھا۔“

سدھا: ”یہ سب ہمیشہ شکار ہی کھیلا کرتے ہیں؟“

ڈاکٹر: ”بادشاہوں کا اور کامنہ کیا ہے؟“

سدھا: ”میں تو آج نہ جانے دوں گی۔“

ڈاکٹر: ”جی تو میرا بھی نہیں چاہتا۔“

سدھا: ”تو نہ جاؤ۔ تار دے دو۔ میں بھی تمہارے ساتھ جلوں کی زلاگبی لیتی چلوں گی۔“

سدھا: ”وہاں سے لوٹی تو اس کے دل کا بوجھ ہٹکا ہو گیا تھا۔ شوہر کی محبت آیزگنگ نے اس کے نام رنج و قم کو دور کر دیا تھا۔ محبت ہیں یہ مدد تھیں ہے، بے حد تھیں ہے اور تھی طاقت ہے!“ (۱۹)

جب ہم بگوئی مصیبیت آیڑتی ہے تو اس سے ہیں صرف رنج ہیں ہونا، بلکہ جیسے دوسروں کے طفے بھی سہنے پڑتے ہیں جو اس کو ہمارے متعلق رائے زد کرنے کا وہ اچھا نہیں ہوتا ہے جس کے وہ متلاشی رہتے ہیں۔ منوار اس کی اصرار کو باخوبی کو آوازے کئے کہا ہے۔ اندر کی بات کون جانتے؟ ظاہری بات تو یہ تھی کہ یہ سب سوتیلی ماں سے پالائی رہے جس کو اپنا بنا ہوا گھر اجارنا ہو، اپنے پیارے بچوں کے ہوتے ہوئے اپنی دوسری شادی کرے ایسا کبھی دیکھا کہ سوت کے آنے پر گھرنہ تھا ہی گیا ہو۔ وہی باپ جو بچوں پر بہانا دینا تھا۔

سوت کے آتے ہی انھیں بچوں کا دشمن ہو جاتا ہے، اس کی مت بھی بدل جاتی ہے! ایسی دیوی نے جنم ہی نہیں لیا۔ جس نے سوت کے بچوں کو اپنا سمجھا ہو۔

مشکل یہ تھی کہ لوگ ایسی رائے زنی کرنے پر ہی قائم نہ ہوتے تھے۔ بچھا ایسے بھلے لوگ بھی تھے جنہیں اب جیارام اور سیارام سے خاص محبت ہو گئی تھی، وہ دونوں لڑکوں سے بڑی ہمدردی ظاہر کرتے، حتیٰ کہ دوچار ہوتیں تو ان کی ماں کے مزاج اور بہترناک کو یاد کر کے انسو بھانے لگتی تھیں۔ ہائے ہائے، بیچاری کیا جانتی تھی کہ اس کے مرتبے ہی اس کے لاڈلوں کی یہ درگت ہو گی؟

اب دودھ کھن کا ہے کو ملتا ہو گا!

جیارام کہتا۔ ملتا کیوں نہیں؟

عورت کہتی، ملتا ہے! ارے بٹا، ملا بھی کئی طرح کا ہوتا ہے۔ پانی بلاد دودھ ملکے سیر کاملا کر رکھ دیا۔ پیو جائے نہ پیو، کون پوچھتا ہے؟ نہیں تو بیچاری لوگر سے دودھ دہا کر ملکاتی تھی۔ دد تو چڑھ ہی کہے دینا ہے۔ دودھ کی صورت جھپپی نہیں رہتی۔ وہ صورت ہی نہیں رہی؟

جیارام کو اپنی ماں کے وقت کے دودھ کا ذائقہ تو یاد نہیں جو اس لارام کی تدبیح کرنا۔ اور نہ اس وقت کی اپنی صورت ہی باؤ تھی، نامانغاہوش ہو جاتا۔ ان بخیر خدا ہیوں کا اثر بھی ہونا قدر تھی۔ جیارام کو اپنے گھر والوں سے نفرت ہوئی جاتی تھی۔ مشی جی مکان نیلام ہو جانے کے بعد دوسرا گھر ہی اٹھ گئے تو کرایہ کی ہوئی۔ نرملانے کھن منگلنا بند کردیا۔ جب وہ آمدی نہ رہی تو وہ خرچ کیسے رہتا۔ دونوں کہاں علیحدہ کر دیئے گئے۔ جیارام کو پڑھانے والے ماسٹر شرما کو بھی جواب پیدا یا گیا۔ جیارام کو یہ قطع دبریدنا کوار معلوم ہوتی تھی۔ جب نرالا مانگہ جیل گئی تو مشی جی نے دودھ بھی بنکر دیا۔ زائدہ لڑکی کی فکر ابھی سے ان کے سر پر سوار ہو گئی تھی!

جیارام نے چھڑ کر کہا۔ ”ددھ بند کر دینے سے تو آپ کا محل بن رہا ہو گا کھانا بھی بند کر دیجئے۔“

مشی جی: ”ددھ سینے کا شوق ہے تو جا کر دو ہا کیوں نہیں لاتے؟ پانی کے پیے تو مجھ سے نہ دیئے جائیں گے۔“

جیارام: ”یہی دودھ دہا نے جاؤ اور کوئی اسکوں کا رد کیجوں لے نہ ہے؟“

مشی جی: ”سب کچھ نہیں لکھہ دینا گہ اپنے لیے دودھ لیتے جاتا ہوں۔ دودھ لانا

کوئی عرب نہیں ہے؟"

جیارام: "عرب نہیں ہے؟ آپ ہی کو کوئی درود لاتے رکھ لے تو آپ کو شرم نہ آئے گی؟" نشی جی: "بالکل نہیں۔ میں نے تو انھیں ہاتھوں سے پانچھینجا ہے۔ اناج کی گھر بانٹھا ہے۔ بیرے باب پکھو تپی نہیں تھے۔"

جیارام: "بیرے باب تو غریب نہیں ہیں، میں کیوں درود دہنے جاؤں؟ آخر آپ نے کہاروں کو کیروں جواب دیدیا۔" نشی جی: "گیا تمہیں اتنا بھی نہیں سوچتا کہ میری آدمی اب پہلے سی نہیں رہی؟ اتنے نادان تو نہیں ہوا۔"

جیارام: "آخر آپ کی آدمی کیوں کم ہو گئی؟" نشی جی: "جب تمہیں متکل ہی نہیں ہے تو کیا سمجھا ڈیں؟ بیان زندگی سے تنگ ہو گیا ہوں۔ مقدمے کوں لے؟ لوں کبھی نوتیار کون کرے؟ وہ دل ہی نہیں رہا۔ اب تو زندگی کے دن بھرے کر رہا ہوں۔ سارے ارمان مسراں کے ساتھ پلے گے۔"

جیارام: "اپنے ہی ہاتھوں نہ؟" نشی جی نے چیخ کر کہا۔ ارے احمد! ادہ ایشور کی مرضی تھی، اپنے ہاتھوں لانپا لاکون کا تباہ ہے؟" جیارام: "ایشور تو آپ کا بیاہ کرنے نہ آپیا تھا؟"

نشی جی اب ضبط نہ کر سکے۔ سرخ سرخ آنھیں نکال کر لے بیکار نہ آجڑانے کیلئے سکر باندھ کر آئے ہو؟ آخر کس بہتے پر؟ میری روٹیاں تو نہیں چلاتے۔ جب اس قابل پھو جاناتھ مجھے نصیحت کرنا تھا جیسے لوں ٹھا۔ ابھی تم کو مجھے نصیحت کرنے کا حق نہیں ہے۔ پھو دنوں ادب اور تمیز سکھو۔ تم میرے صلاح کا لذت نہیں ہو کرہیں جو کام کروں، اسی میں تم سے صلاح لوں۔ بیرا پیدا کیا ہوئی دو لوت ہے، اسے جس طریقے پاہوں خرچ کر سکتا ہوں تھے کو زبان کھولنے کا بھی اختیار نہیں ہے۔ اگر بھر تھے مجھ سے ایسی بے ادنی کی تو نیجوں برآ جاؤ گا۔ جب مسلم جیسا تھا مجھوں کوئی بیان نہ تکلی تو تمہارے بغیر میں مر نہ جاؤں گلا سمجھو گئے!"

ایسی بھری طرح ڈالنے والے بانے پر کھی جیارام دہاں سے نہ ٹلا۔ تجربی سے بولا ہو کہا۔ آپ چاہتے ہیں کہ یہیں خواہ لکھتی ہیں تکلیف ہو، مگر زبان نہ ہلائیں؟ مجھ سے تو نہ ہو گا۔ بھائی صاحب کو ادب اور تمیز کا بیو انعام ملا اس کی مجھے حاجت نہیں۔ مجھ میں زبرد کھا کر جان دیتے کی جرأت نہیں! ایسے ادب کو دو رے سلام کرنا ہوں؟" نشی جی: "تمہیں ایسی ہاتھی کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟"

جیارام؟ لڑکے اپنے بزرگوں ہی کی نقل کرتے ہیں۔"

مشی جی کا غصہ فرو ہو گیا۔ جیارام پر اس کا کچھ سمجھی اثر نہ ہو گلا، اس کا انھیں یقین ہو گیا۔ اُکھر ٹھلنے پلے گئے۔ آج انھیں معلوم ہو گیا کہ گھر ملد ہی تباہ ہونے والا ہے۔

اس روز سے باپ بیٹے میں کسی زکسی بات پر تمثیل کھٹکتے ہو جاتی۔ مشی جی جیوں طبع دیتے تھے، جیارام اور بھی شریروں نا جاتا تھا۔ ایک روز جیارام نے رکنی سے بہاں لے کر کہہ دیا۔ باپ ہے، یہ سمجھو کر درگز رکھتا ہوں ورنہ میرے ایسی ساختی ہیں کہ چاہوں تو سر بازار پڑا دوں۔ رکنی نے مشی جی سے کہدیا۔ مشی جی نے ظاہراً تو لاپرواہی دکھائی مگر ان کے دل میں اندر شہ پیدا ہو گیا۔ شام کو ہر انہوں کھرنا پھوڑ دیا۔ یہ نہیں فکر لاحق ہو گئی۔ اسی خوف سے نہ ملا کو بھی نہ بلانے تھے کہ یہ شیطاناں اس کے ساختہ بھی دیسا ہی سلوک کرے گا۔ جیارام ایک بار دبی زبان سے کہہ بھی چکا تھا کہ دیکھوں اب کے کیسے اس گھر میں آتی ہیں، دور ہی سے دھنکارہ دوں تو جیارام نام ہی نہیں۔ بندھے میاں کری کیا سکیں گے؟

مشی جی بھی خوب سمجھ گئے تھے کہ میں اس کا کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ کوئی غیر شخص ہوتا تو اس کو پولیس اور فائزون کے شکنجه میں کے اپنے لڑکے کو کیا کریں؟ پچ کہا ہے کہ آدمی ہارتا ہے تو اپنے لڑکوں سے!

ایک روز ڈاکٹر سہناب نے جیارام کو سمجھانا شروع کیا۔ جیارام ان کا ادب بگرتا تھا، چپ چاپ سمجھا سنتا رہا۔ جب ڈاکٹر صاحب نے آخر پیس دریافت کیا کہ تم چاہتے کیا ہو تو وہ بولا۔ صاف صاف کہہ دوں نہ، برا تو مانے گا؟

سہناب؟ نہیں جو کچھ کہتا رہے دل میں ہو صاف صاف کہہ دو؟

جیارام؟ تو سنئے، جب سے بھیا مرے ہیں مجھے باپ کی صورت دیکھ کر غصہ آتا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں نے ان کو ہلاک کیا ہے اور کسی روند موقع پا کر ہم دونوں بھائیوں کو بھی ہلاک کر دالیں گے۔ اگر ان کی یہ خواہیں نہ ہوں تو شادی ہی کیوں کر سکے؟ ڈاکٹر صاحب نے ٹبری مشکل سے سنبھی روک کر کہا۔ تمہیں ہلاک کرنے کے لیے اپنی شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ بات بیری سمجھ میں نہیں آئی۔ بلا شادی کے بھی وہ ہلاک کر سکتے تھے۔

جیارام؟ کبھی نہیں۔ اس وقت تو ان کا دل ہی کچھ اور رکھا۔ اب منہ لک نہیں دیکھنا چاہتے۔ ان کی بھی مرضی ہے کہ ان کے راستے سے ہم لوگوں کو ہٹا دینا چاہتے ہیں۔ بھی ان دونوں کا دلی غشام ہے۔ ہمیں طرح طرح کی تکلیفیں دے کر بھگا دینا چاہتے ہیں۔

اسی یے آج کل مقدمہ نہیں لیتے۔ ہم دونوں بھائی آج مر جائیں، تو پھر دیکھئے کہ کیسی بہار ہر لئے ہے۔

ڈاکٹر: اگر نہیں بھگانا ہے تو ناکوئی الزام لگا کر گھر سے نکال زدیتے؟

جیا رام: اس کے لیے سلسلہ تیار ہی ہوں۔

ڈاکٹر: میں بھی سنوں، کیا تیاری کی ہے؟

جیا رام: جب موقع آئے مکاونیکوں کو لمحے تھے۔

یہ کہہ کر جیا رام چلتا ہوا ڈاکٹر شہانے بہت پکارا؛ مگر اس نے ملکر دیکھا بھی نہیں۔ کئی روز کے بعد ڈاکٹر صاحب کی جیا رام سے پھر ملاقات ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب سینما دیکھنے کے شائق تھے۔ اور جیا رام کی توجیہ ہی سینما میں تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے سینما پر اتنے زی کرتے ہوئے جیا رام کو باتوں میں لگایا۔ اور اپنے گھر لائے۔ کھانے کا وقت آگئا تھا۔ درنوں کھانے پر مشیجے جیا رام کو بھاگنا بہت لذیذ معلوم ہوا بولا۔ میرے بھائی ترجمہ سے ہر راج سمجھ دیا ہے، کھانے کا مزدھی جاتا رہا۔ ملادھی پکا دشمنوں کھانا بتاتی تھیں۔ جبراً کھا لیتا ہوں۔ مگر دراصل کھانے کو جی نہیں پاتا۔

ڈاکٹر: میرے بھائی تو جب گھر میں کھانا پکتا ہے تو اسے کہیں زیادہ مزیدار ہوتا ہے۔ نہیں اسی پیاز لہسن نے جھوٹی ہوں گی؟

جیا رام: ہاں صاحب، ابھی کر رکھ دیا ہیں۔ لا رجی کو اس کی پرداہ نہیں کر کوئی کھانا ہے یا نہیں۔ اسکا لیے تو ہر اچ کو علیحدہ کر دیا ہے۔ اگر روپے نہیں ہیں تو روزگہنے کہاں سے ہے ہیں؟

ڈاکٹر: یہ بات نہیں ہے، جیا رام ان کی آمد نو اقیٰ بہت کم ہو گئی ہے۔ تم نہیں بہت ذکر نہ کر رہے۔ جیا رام: رہیں کرنا میں دل کرتا ہوں۔ مجھے قسم لے لمحے کر جو کبھی ان سے بولتا بھی ہوں۔ مجھے بدنام کرنے کا انھوں نے بیڑا اٹھایا ہے۔ بے سبب، بے وجہ پیچے پڑے رہنے ہیں، بھائی تک کہ میرے دوستوں سے بھی انھیں چڑھا دے۔ آپ ہی سوچئے کہ دوستوں کے بغیر کوئی زندہ رد سکتا ہے میں کوئی لفڑ نہیں ہوں کہ لقوں کی صحبت کروں۔ مگر آپ دوستوں ہی کے پیچے مجھے روز اندھک کہا کرتے ہیں۔ مکل تو میں نے صان کہہ دیا کہ میرے دوست میں گھر آئیں گے اسکی کو اچھا لگے یا بدرا۔ جناب! کوئی ہو، مگر وقت کی دھونس نہیں سہ سکتا۔

ڈاکٹر: مجھے تو بھی ان پر حرم آتا ہے۔ یہ وقت ان کے آرام کرنے کا تھا ایک نوبڑا پاپا۔ اس پر بیٹے کی جو اخردگی کا غم۔ صحبت بھی اچھی نہیں۔ ایسا آدمی کیا کر سکتا ہے؟ وہ جو کچھ خود را

بہت کرتے ہیں، وہی بہت ہے۔ تم ابھی اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم اذکم اپنی بول چال سے تو انہیں خوش رکھ سکتے ہو۔ بوڑھوں کو خوش رکھنا بہت مشکل کام نہیں، مانو کہ نہار اہنس کر بولنا ہذا انہیں خوش کر لے کو کافی ہے اتنا پوچھنے میں نہار کیا خرچ ہوتا ہے کہ ہابھی آپ کا مزاج کیسا ہے؟ وہ نہار میں یہ کر دل ہی دل میں کڑھنے ہیں، میں تم سے سچ کہتا ہوں کر کی مرتبہ روچکے ہیں مان لو کہ انہوں نے شادی کرنے میں غلطی کی۔ اسے وہ بھی تسلیم کرتے میں۔ مگر تم اپنے فرض سے کیوں منہ بوزتے ہو؟ وہ نہارے باپ ہیں، انہیں ان کی خدمت کرنی چلیجئے۔ ایک بات بھی ایسی منہ سے نہ نکالنی چاہئے جس سے ان کا دل دکھے، انہیں یہ خیال کرنے کا موقع ہی کیوں دو کہ سب کے سب میری کمائی کھانے والے ہیں، بات یوچھنے والا کوئی نہیں؟ میری عمر تم سے کہیں زیادہ ہے، جیارام! مگر آج تک ہمیں نے اپنے والد صاحب کو کسی بات پر جواب نہیں دیا۔“

”وہ آج بھی مجھے دلٹتے ہیں۔ میں سرخ چکا کر سن لینا ہوں کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں۔ میرے بھلے ہی کے لیے کہتے ہیں۔ ماں باپ سے بڑھ کر ہمارا بھی خواہ اور کوئی ہو سکتا ہے؟ ان کے احسان سے کون سبکدوش ہو سکتا ہے؟“

جیارام بیٹھا روتا رہا۔ انہما اس کی نیک دلی بالکل زامل نہیں ہو گئی تھی۔ اپنی ناطقی اسے صاف ظاہر آ رہی تھی۔ اتنی پیشگانی اسے بہت روز سے نہ ہوئی تھی اس نے روکر داکٹر صاحب سے کہا۔ میں بہت نا دم ہوں۔ میں دوسروں کے بہکانے میں آگیا تھا۔ آب آپ میری ذرا بھی شکایت نہ سنیں گے۔ آپ والد صاحب سے میرا قصور معاف کرادیجئے میں واقعی ڈر اب نصیب ہوں۔ انہیں میں نے بہت ستایا۔ ان سے کہئے کہ میرا قصور معاف کر دیں، ورنہ میں اپنے منہ کا لکھا کر کہیں تکل جاؤں گا، کہیں ڈوب مرو نکا؟“

ڈاکٹر صاحب نصیحت دیں پر چھو لے ز سماء۔ انہوں نے جیارام کو مغلے لگا کر خست کیا۔ جیارام کھرپنچا تو گیارہ بج گئے تھے۔ مشی جی کھانا کھا کر ابھی باہر آئے تھے۔ اسے دیکھتے ہیں لوئے۔ ”جانتے ہو، کہتے کہے ہیں؟ بارہ کا وقت ہے؟“

جیارام نے نہایت عاجزی سے کہا۔ ”ڈاکٹر نہیا مل گئے۔ ان کے ساتھ ان کے مکان تک چلا گیا۔ انہوں نے کھانے کے لیے اصرار کیا۔ مجبوراً اکھانا پڑا؟“

مشی جی ”ڈاکٹر نہیا سے ذکھڑا رونے کئے ہو گئے یا اور کوئی کام نہیا؟“

جیارام کی عاجزی کا ایک جو دھانی حقہ مفقود ہو گیا، بولا۔ ”ڈکھڑا رونے کی میری عادت نہیں ہے۔“

مشی جی: ذرا بھی نہیں۔ تمہارے منہ میں زبان ہی نہیں ہے! بھو سے جو لوگ منہاری۔
تائیں کہا کرتے ہیں وہ بیوں ہیں کہا کرتے ہوں گے؟"

جیا رام: اور دنوں کی تو میں نہیں کہتا مگر آج ڈاکٹر سہا کے بیہان میں نے کوئی بات اسی
نہیں کہی جو اس وقت آپ کے رو بروز کہہ سکوں۔"

مشی جی: خوشی کی بات ہے، بلے مذنوشی ہوئی۔ آن سے مریدی کر لیے گیا؟
جیا رام کی عاجزی کا ایک چوتھا حصہ اور غائب ہو گیا۔ سرانح کر بولا۔ اُدمی بلا مرید
ہوئے بھی اپنی برا بیوں پر نادم ہو سکتا ہے۔ اپنا سدھار کرنے کے لیے گور و کامنٹر کوئی
چیز نہیں۔"

مشی جی: اب تو شہدے نہ بنت ہوں گے؟
جیا رام: آپ کسی کو شہدا کیوں کہتے ہیں۔ جب تک اس کہنے کے لیے آپ کے باس کوئی
ثبوت نہیں؟"

مشی جی: تمہارے دوست سب شہدے لفڑی ہیں۔ میں تھیں کی بار کہ جکال ہوں کہ انہیں
بیہان نہ جمع کیا کر دے، مگر تم نے سنائیں۔ آن میں آخری بار کہہ دیتا ہوں کہ اگر تم نے ان کو بھر
جمع کیا تو مجھے پولیس کی مدد لیں گے۔"

جیا رام کی عاجزی کا ایک چوتھا اور غائب ہو گی۔ کمرس کر بولا۔ آجھی بات ہے پولیس
کی مدد لیجئے؛ دیکھوں پولیس کیا کر لی ہے؟ میرے دوستوں میں نصف سے زیادہ بیویں کے
انسروں کے ہی لڑکے ہیں۔ جب آپ بیرا سدھار کرنے پڑتے ہوئے ہیں تو میرے فائدہ بیوں نکلیں
برداشت کروں؟"

بے کہتا ہو اجیا رام اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور ایک لمحے کے بعد ہماروں نیم کے نعمہ شیری
کھاؤ از ہہ رانے لگی۔

حمدہ ری کا جلا ہوا پر اونچے در دا نہ طنز وال تہ رکے ایک جھونکے سے بچ گیا یا اس ہو گھوڑا
دم دلا سا سے ذرا آگے بڑھنے کو سنا کہ چاکپ پڑھتے ہیں پھر اونچی۔ اور نکاری کو تھیڈھیڈھیلے لگا
(۱۹)

اب کے سدھار کے ساتھ نہ ملائی کوئی آنا پڑا۔ وہ تو مالک میں کچو دنوں اور رہنا پایا تھا
بھی، اگر معموم سدھارنا تھا کیسے رہتا؟ اس کی خاطر سے نہ ملائی کو آنا پڑا۔

کہنی نے بھی سے کہا؟ دمکھنی ہے، بہو میکے سے کہی کھر کر آئی ہے؟
بھنکی نے کہا؟ دیدی ایمان کے ہاتھ کی روشنی کیوں کو بہت اچھی لگتی ہیں؟

رکنی؟ سمجھیک کہتی ہے سمجھنگی اکھلانا تو کچھ ماں ہی جاتی ہے۔"

نر ملا کو اس معلوم ہوتا تھا کہ گھر کا کوئی آدمی اس کے آنے سے خوش نہیں۔ مشی جانے تو شو تو بہت دکھائی تک روں تفکر کو نہ چھپا سکے۔ بھی سماں سدھانے آثار کہ دیا تھا۔ وہ آشاكی سورت سی تھی بھی۔ اسے دیکھ کر ساری فکر درہ رہ جاتی تھی۔ مشی جانے اسے گودی میں لینا چاہا تھا تو وہ رو نے لگی اور روڑ کر ماں سے پٹکی گئی گویا باپ کو جانتی ہی تھی۔ مشی جانے شیرخی کے خریبے اسے انوس کرانا جایا۔ گھر میں کوئی نہ کہ تو تھا نہیں۔ جا کر سیارام سے دو آنے کی شہادت لائے کو کہا، جیا رام بھی بیٹھا ہوا اتحا، بول اٹھا ہم لوگوں کے لیے تو کبھی سٹھانی نہیں آتی۔

مشی جی نے حفظ چلا کر کہا۔ تم لوگ بچے نہیں ہو۔"

جیسا اسہ اور کیا بول رہے ہیں؟ مٹھا میاں منگو اکر رکھو ایکیے تو معلوم ہو کر بچے ہیں یا بڑھے۔ نکالے چار آنے اور۔ آشاكی بدولت ہمارے نصیب بھی مانگیں۔

مشی جی، مگر افضل ہاتھیں کرتے ہو، تھی سی بھی کہ برابری کرتے تھیں شرم نہیں آتی؟ مبارکہ سیارام، یہ پیسے لو۔"

جیا رام، مت ہانا سیا اتم کسی کے نہ کرنہیں ہو۔"

سیارام میرے سش و پچ میں پیدا گیا۔ کس کا کہنا کرے؟ بالآخر اس نے جیا رام کا کہنا مانے کا ارادہ کر لیا۔ باپ زیادہ سے زیادہ رُانٹ دیں گے، جیا نو مار بیگا۔ پھر وہ کس کے پاس نہ پارے کر جائے گا۔ بولا۔ میں نہ جاؤں گا۔"

مشی جی نے دھر کا کر کہا۔ اچھا تو پھر بیرے پاس کوئی چیز رانگنے مت آنا۔"

مشی جی خود بازار چلے گئے۔ اور ایک روپیے کی شیرخی لے کر رونٹ۔ دو آنے کی مٹھائی لینے ہوئے انھیں شرم معلوم ہوتی۔ ملوانی انھیں بیٹھا تھا۔ دل میں کیا کہے گا؟

مٹھائی لئے ہوئے مشی جی اندر چلے گئے۔ سیارام نے مٹھائی کا بڑا سارونا دیکھا تو باپ کاہنہ از مانے کھا اسے رنج ہوا۔ اب وہ کس منہ سے مٹھائی لینے اندر جائے گا؟ بڑی لٹکی ہوئی۔ وہ دلی ہی رلی بیس جیا رام کے طالبخون کی چوٹ کا شرمنی کی ملاوت سے موازنہ کرنے لگا۔

دنعتاً بھنگی نے دو طشتیاں دونڑنے کے سامنے لا کر رکھ دیں، جیا رام نے یہ گزر کر کہا۔

"اے اٹھا لیجہا۔"

سمنگی، سکا ہے کو بگڑتے ہو بابو؟ کہا مٹھائی اچھی نہیں لگتی؟"

جیا رام، مٹھائی آشاكے لیے آں ہے، ہمارے لیے نہیں۔ لیجا اور دمیں سڑک پر کھینچ دوں گا۔ ہم تو پیسے کے لیے نہستے رہتے ہیں اور یہاں روپیوں کی مٹھائی آتی ہے۔"

محنگی" تم لے لو۔ بابو ابہ نہ لیں گے زہی۔ سیارام نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ بڑھایا تھا، کہ جیارام نے ڈانت کر کیا۔ مت چھونا مٹھانی، ورنہ ہاتھ تو زکر کر رکھ دیتا۔ لاجی کہیں کا اسی ایام یہ ڈانت سن کر سہم گیا مٹھائی کھانے کی بہت زیپڑی۔ نرملانے یہ ماجر اس اتو دنوں لفڑکوں کو منانے پلی۔ مشی جی نے تکڑی قسم کھلادی:

نرملہ: آپ سمجھتے نہیں یہ سارا غصہ مجھ پر ہے؟

مشی جی: "گستاخ ہو گیا ہے۔ اس خیال سے سختی نہیں کرتا کہ کوئی کہیں گے، بناں کے بچوں کو تسلی ہیں، ورنہ ساری شرارت لھڑی بھریں نکال دوں گا"

نرملہ: اسی بد نامی کا مجھے سمجھی تو خوف ہے؟

مشی جی: اب ڈرد نگاہیں کے جی میں آئے کہے؟

نرملہ: سلسلے تو یہ ایسے نہ تھے۔

مشی جی: "اچی کہتا ہے کہ آپ کے لڑکے موجود تھے۔ آپ نے بیاہ کیوں کیا؟ یہ کہنے ہیں بھی اسے تامل نہیں ہوتا کہ آپ کو گوئی نے سارا ام کو زہر دے دیا۔ لڑکا نہیں ہے، دشمن ہے!" جیارام دروازے پلاس چھپا ہوا لکھرا تھا۔ میاں ہیوی میں کیا جائیں ہوئی ہیں، بھی سے دہ آپا تھا۔ مشی جی کا آخری جملہ سُن گرا اس سے رہا گیا۔ بول اٹھا۔ دُمن نہ ہوتا تو آپ اس کے سمجھے کیوں پڑتے؟ آپ جو اس وقت کہہ رہے ہیں وہ میں بہت پیشترے سمجھے ہوئے ہوئے میٹھا ہوں گے۔ بھیان سمجھتے تھے۔ دھوکہ کھا گئے۔ ہمارے ساتھ آپ کی دال نہ گلے گی۔ سارا زمانہ گپڑہ رہا ہے، کہ بھائی صاحب کو زہر دیا گیا۔ میں کہتا ہوں تو کیوں آپ کو غصہ آتا ہے؟

نرملہ تو سناتے میں آگئی۔ معلوم ہوا کسی نے اس کے بدن پر انجارے ڈال دیئے۔ مشی جی نے ڈانت کر جیارام کو چیپ کر انہماں اپنے جیارام بے خوف کے ساتھ اینٹ کا جواب پھر سے دینا رہا۔ یہاں تک کہ نرملہ کو بھی اس پر غصہ آگیا۔ یہ سلما چھو کر انہ کسی کا مام نہ کاچ کا، یوں لھڑا ٹوار ہا ہے۔ سبیے سارے گھروں کی بروشی کرتا ہے۔ تیوریاں جڑھا کر بولی۔ بس اب بہت ہوا جیارام معلوم ہو گیا کہ تم پڑے لائی ہو۔ ماہر ماکر میٹھو!

مشی جی ذرا دب دب کر بولتے رہے، اب نرملہ کی شہ پال تو دل ٹڑھ گیا۔ ڈانت پس کر لکھے اور اس سے قبل کہ نرملہ ان گے ہاتھ پکڑ کے ایک تھپڑہ چلا ہی دیا۔ تھپڑہ نرملہ کے منہ پر بڑا وہی سامنے پڑ گئی تھی۔ سر پکڑا گیا۔ مشی جی کے خشک ہاتھوں میں بھی اتنی سکت ہے، اس کا وہ قیاس نہ کر سکتی تھی۔ مرخ تھام کر میٹھے کی مشی جی کا غصہ اور بھی بھروک اٹھا۔ پھر گھونسا پلا یا مگر اب کے جیارام نے ان کا ہاتھ پکڑا گیا۔ اور پچھے ڈھکیل کر بولا۔ دور سے بانیمیں سمجھے

کیوں نا حق اپنی بے غرفی کرتے ہیں۔ اماں جی کامی نظر رہا ہوں ورنہ دکھادتیا۔“
یہ کہتا ہوا باہر ملا گیا۔ منشی جی بے حس کھڑے رہ گئے۔ اس وقت اگر جیار ام پر خدا گلے قبر
نازل ہوتا تو شاید اتفاقیں دلی سرت ہوتی۔ جس لڑکے کو کبھی گوری میں لے کر خوش ہو جاتے
تھے۔ اسی کے متعلق آج انوار، اقسام کی بداند پیشیاں پیدا ہو رہی تھیں۔
رکنی اب تک تو اپنی کو محروم ہیں تھی۔ اب اگر کروں۔ جیا پسے برابر کا ہو گیا تو اس پر
ہاتھ دھلانا چاہا ہے۔“

مشی جی نے ہونٹ چھا کر کہا۔“ میں اسے گھر سے نکال کر دم لوں گا۔ بھیک ملنے یا چوری
کرے، مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔“
رکنی ناک کس کی کہے گی؟“
مشی جی：“ اس کی پرواہ نہیں۔“

نرملہ：“ میا جانتا کہ میرے آنے سے یہ طوفانِ اللہ کھڑا ہو گا تو بھول کر جی دلتا۔
اب بھی بتیر ہے، مجھے بھی دیجئے۔ اس گھر میں مجھ سے رہا دیجئے گا۔“
رکنی：“ تمہارا بہت عطا کرنا ہے بہوا ورنہ آج آفت آجائی۔“

نرملہ：“ اب اور کیا آفت ہو گی دیدی جی؟ میں بھونک پھونک کر قدم رکھتی ہوں۔ پھر بھی لند
لگ جاتا ہے۔ ابھی کھر میں قدم رکھنے دیر نہیں ہوں اور یہ حال ہو گیا۔ الشور ہی کشل کریں!“
رات کو کھانے کے لیے کوئی نہ اٹھا۔ تمہارا مشی جی نے کھایا۔ نرملہ کے دل میں آج ایک نئی
فکر پیدا ہو گئی تھی۔ زندگی کیسے پار ہو گی؟ اپنا ہی پیٹ ہوتا تو کوئی خاص تردید نہ تھا۔ اب تو
ایک نئی بلا گلے پر جگئی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ میری تھی بیچ کے بھاگ میں کہا کر کھا ہے رامہ؟

(۲۰)

فکر میں نینڈ کیسا آتی ہے؟ نرملہ پائیگ پر ٹپری کر دیں جو بل رہی تھی۔ کتنا ہی کو شش کرتی
تھی کہ نند آجاوے مگر نینڈ نے تو نہ آنے کی قسم کیا کمال تھی۔ چراغِ سُخنہ اگر دیا سخا، کھڑکی کھول
دی سخن نہ کل کرنے والی کھڑکی بھی دوسرے کمرے میں رکھ آئی تھی، مگر نینڈ کا نام نہ بخدا
ضمنی باقی سوچتی تھی؛ سب سوچ چکی۔ تفکرات کا فاتحہ ہو گی، مگر پیک تھکی۔ تب اس نے
پھر نیپ جلا دیا اور ایک کتاب پڑھنے لگی۔ روہی چار صفحے پڑھے ہوں گے کہ جھپکی آگئی کتاب
کھل کی تھی رہ گئی۔

دفعتاً جیار ام نے کمرے میں قدم رکھا۔ اس کے پیر تھر تھر کا نپ رہے تھے اس نے کمرے
کے اپر بیچ دیکھا۔ نرملہ سوئی ہوئی تھی۔ اس کے سر ہانے طلاق پر ایک چھوٹا سا پیش

کا صندوق پر رکھا ہوا تھا، جیسا کہ اسے دبے ہوا دل گیا۔ آہستہ سے صندوق پر اسے اتارا اور بڑی تیزی سے کمرے سے باہر نکلا۔ اسی وقت نر ملا کی انکھیں کھل گئیں۔ چونکہ کراٹھے کھڑی ہوئی۔ دروازہ پر اُگر دیکھا، لیکن پر دھک سے ہو گیا۔ یہ جیسا رام ہے؟ میرے کمرے میں کی کرنے آیا تھا۔ کہیں مجھے دھوکہ تو نہیں ہوا؟ شاید دیدی جی کے کمرے سے آیا ہو۔ بیان اس کا حکم ہی کیا تھا؟ شاید مجھے کچھ کہنے آیا ہو اور سوتا دیکھ کر چلا گیا ہو۔ لیکن اس وقت کیا کہنے آیا ہو گا؟ اس کی نیت کیا ہے؟ اس کا دل کا تھا۔

مششی جی اور پر تھپت پر سور ہے تھے۔ منڈپر نہ ہونے کے سبب نر ملا اور پر نہ سو سکتی تھی۔ اس نے سوچا کہ حل کر انکھیں جگاؤں مگر جانے کی تھت نہ پڑی۔ شکلی اکرمی ہیں، وجانے کیا سمجھیں؟ اور کہا کرنے پر آمد ہو جائیں۔ اُگر پھر وہی کتاب پڑھنے لگی۔ سویرے پر چھلنے پر آپ ہی معلوم ہو جائے گا۔ کہ کون جانے، مجھے دھوکا ہی ہوا ہو۔ میند میں کبھی دھوکا ہو جاتا ہے، لیکن صبح پر چھنے کا ارادہ کر لینے پر کبھی اس کو نہیں نہ آئی۔

بس وہ ناشتہ لے کر خود جیسا کے پاس گئی تو اسے دیکھ کر پوچھا۔ ہر لوت کو تم میرے کمرے میں گئے تھے۔

نر ملانے اس کی تیقین آمیز نگاہوں سے دیکھ کر پوچھا۔ ہر لوت کو تم میرے کمرے میں گئے تھے۔ جیسا کہ کافی تجھ کا اظہار کرتے ہوئے گہا۔ میں! ابھارات کو کیا کرنے جانتا ہوں کیا کوئی گیا تھا؟ نر ملانے اس لمحے میں کہا گواہ سے اس کی بات کا پرواقیں ہو گیا تھا۔ اس لمحے ایسا معلوم ہوا کہ کوئی میرے کمرے سے نکلا ہے۔ جہاں اس کا جبرا تو نہ دیکھا مگر اس کی پڑی دیکھ کر تباہ کیا کہ شاید تم کسی کام سے آئے ہو۔ اس کا پتہ کیسے چلے کہ کون تھا؟ کوئی تھا ضرور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں؟

جیسا کہ اپنے قصور ثابت کرنے کی گوشش کرتے ہوئے گہنے لگا۔ میں تورات کو تھہیر دیکھنے چلا گیا تھا۔ وہاں سے لوٹا تو ایک دوست کے گھر میں لیٹ رہا۔ بخوبی دیر ہوئی۔ تو نما ہوں۔ میرے ساتھ اور بھی کئی دوست تھے جس سے جو چاہے پوچھ لیں۔ ہاں بھی میں بہت دُر تا ہوں۔ اپنا نہ ہو کوئی چیز اٹھ سکا ہے تو میرا نام گئے۔ چور نہ کوئی پکڑ نہیں سکتا۔ میرے مانگنے لگ جائے گی۔ باہوچی کو آپ جانتا ہیں، مجھے مارنے دوڑ جیں گے؟

نر ملا۔ نہ لانا کیوں لگ جائے؟ اگر نہیں ہوتے تو مجھی نہیں کوئی چوری کی نہیں لگا سکتا۔

چوری دوسرے کی چیزیں کی جاتی ہیں چیزیں کی جو رہی کوئی نہیں کر سکتا۔

اُبھی تک نر ملا کی نگاہ اپنے صندوق پر نہ پڑی تھی کہا ناپکانے لگی۔ جب وکیل صاحب

کچھی چلے گئے تو وہ سدھا سے ملنے چلی۔ ادھر کئی روز سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ پھر اس
وائے واقعے پر باہمی گفتگو بھی ہوئی تھی۔ ہنگلی سے کہا، کرسے سے گھبھے کا کبس اٹھالا؟
ہنگلی نے واپس آکر کہا، وہاں تو کہیں تکبیں نہیں ہے۔ بکھاں رکھا تھا؟“
نر ملانے چڑ کر کہا، ایک مرتبہ میں تو بھی میرا کام ہی نہیں ہوتا۔ وہاں چھوڑ کر اور
جائے گا کہاں؟ الماری میں دیکھا تھا؟“

ہنگلی، ”نہیں بھو جی، الماری میں تو نہیں دیکھا جھوٹ کیوں بولوں؟“

نر ملا سکرا ٹڑی، بول جادیجھ جلدی آ۔

ایک لمحے میں ہنگلی پھر خالی ہاتھ لوٹ آئی۔ الماری میں بھی تو نہیں ہے اب جہاں جتا ہاں لگھوں؟“

نر ملا، ”جنہیں جلا کر کہتی ہوئی اٹھا کھڑی ہوئی۔“ تجھے اشتر نے آنکھیں زجاۓ کس لیے دیں۔

دیکھا اسی کمرے میں سے لانی ہوں کہ نہیں۔“

ہنگلی بھی تجھے تجھے کمرے میں گئی۔ نر ملانے طلاق پر شکاہ داں، الماری کھول کر دیکھی، پنگ
کے تیز چھانک کر دیکھا، پھر کپڑوں کا بڑا صندوق کھول کر دیکھا۔ مگر کبس کا کہیں پستہ نہ تھا۔ تب
ہوا کہ آخر کبس گیا کہاں؟

دنفترات کا داد اقوٰ محلی کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے چمک گیا۔ کلمجھ اچھل پڑا۔ اب تک
بے فکری سے تلاش کر رہی تھی۔ اب بخاڑ سامنے گیا۔ ٹڑی بیتابی سے چاروں طرف کھوچنے لگیں۔
پتہ نہ تھا۔ جہاں کھو جنا چاہئے تھا۔ وہاں بھی تلاش کیا۔ اور جہاں رکھو جنا یا ہے تھا وہاں بھی۔
اتنا بڑا صندوق پر کچھ کیسے حصب جاتا، میراے بھی تھاڑ کر دیکھا۔ لمحہ تو چھرے کا رنگ فن
ہزتا جاتا تھا۔ جان ناخنوں میں آرہی تھی۔ آخر مایوس ہو کر اس نے چھاتی پر ایک لکھونسہ مارا۔
اور رو نہ لگی۔

پہنچنے والی عورتوں کی تو پوچھی جوتے ہیں۔ شوہر کی اور سی پونچی پر اختیار نہیں ہوتا۔ اسی وجہ
کا اس کو ضمہ اور بلی ہوتا ہے۔ نر ملا کے پاس جو ہزار کے گئے تھے۔ جب انکھیں پہن کر وہ نیکتی تھی
تو آسی دیر گئے لیے مسرت سے اس کا دل شکفتہ رہتا تھا۔ ایک ایک زیور گو یا صاصاب دنیوں
سے غفوظ رکھنے کے لیے ایک ایک سنبھا رہتا۔ ابھی رات ہی اس نے سوچا تھا کہ جیسا امر کیا تھا
بنا۔ ردہ ردہ نہ رہتے گی۔ ایشور نہ کرے کہ وہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلاتے۔ اس ڈانڈ سے ردہ اپنے ناؤ
کو بھی پار نکالے گی۔ اور اپنی بچی کو بھی کسی نہ کسی گھاٹ پہنچاوے گی۔ اسے کہس بات کی لکھ
ہے گہنے تو اس سے کوئی نہ جھین لے گا۔ آج یہ بیرے سٹکار ہیں۔ کل ہی بیرے سہارے کا کام
دیں گے۔ اس خیال سے اس کے دل کی نیکیں ہوئی تھی۔ دہی پوچھی آج اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔

اب دہ بے کس تھی۔ دنیا میں اس کے لیے کوئی وسیلہ کوئی سہارا نہ تھا۔ اس کی امید وکی سمجھنی ہو گئی۔ وہ زار و قطار رونتی۔ ایشور اتم سے اتنا بھی نہ دیکھا گیا؛ مجھ دکھایا کو تم نے پوچھ دیا جوں
بناد یا تھا، اب آنکھیں بھی پھوڑ دیں! اب دکس کے سامنے باختر پھیلاتے گی؟ کس کے درد
در دارے پر بھیک مانگے گی؟ اس کا جسم پسینہ سے شل ہو گی۔ روتے روتے آنکھیں سوچ گئیں۔
وہ سر جھکتے رورہی تھی۔ اور رکھنی اسے دلا سادے رہی تھی۔ اس کے ان سورج تھمتے تھے۔ درج
کی آگ فروند ہوتی تھی۔

تین بجے جیسا سکول سے لوٹا۔ نر ملا اس کے آنے کی خبر پا کر دیواز دار اٹھی اور اس کے
کمرے کے در دارے پر جا کر بولی۔ بھیارل لگنی کی ہو تو دیدو۔ دکھایا کو متا کر کیا پاؤ گے؟
جیا رام ایک لمحے کے نی مضمحل ہو گیا۔ چوری میں اس کی پیشی کو شش تھی۔ وہ سنگدل
جسے تانے میں صد آنٹا ہے ابھی تک اس بیس نہ پیدا ہوئی تھی۔ اگر اس کے پاس صندوقچہ ہوتا
اد رائے پھر انہا مونعہ ملتا کہ دا اس کو اسی طاق پر رکھ دے تو شاید وہ اس موقع کو ہاتھ
سے نہ جانے دیتا۔ مگر اب صندوقچہ اس کے ہاتھ تک مل چکا تھا۔ بار لوگوں نے اسے صرفے میں
پہنچا دیا تھا۔ اور گہنے کم و بیش قیمت پر فروخت کی کر دا رہے تھے۔ چوری کی آڑ جھوٹ کے
سو اور کیا ہو سکتی ہے۔ بولا۔ بھلا اماں جی میں آپ سزا یہی دل لئی کر دیں گے۔ آپ ابھی تک مجھ
پر شک کرتی جا رہی ہیں۔ میں کہہ بچا ہوں کہ رات کو گھر میں نہ تھا۔ مگر آپ کو یقین نہیں آتا۔
بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ مجھے اتنا کہیہ تھیں ہیں؟

نر ملا نے آنسو پوچھنے ہوئے کہا۔ میں نہیں اپر شک نہیں کرتا۔ بھیا، تمہیں چوری
نہیں لگتا۔ میں نے سمجھا کہ شاید دل لگی ہو؟

جیا رام پر چوری کا شہر کیسے کرستی تھی؟ دنیا کیں تو کہے گے کہ لاگے کی ماں مر گئی ہے
تو اس پر چوری کا انزام لکایا جا رہا ہے۔ میرے منہ میں تو کا لکھ لگ جائے گی۔
جیا رام نے لشکنی دیتے ہوئے کہا۔ چلے جس تو دیکھوں، آخرے کون گیا؟ چور آیا کس
ملتے ہے؟

بھنگی: ”بھیا تم بھی چور دن کے آنے کو کہتے ہو، چوہٹے کے بل سے نوٹکلی ہی آتے ہیں۔ بیان
تو چاروں طرف کھڑکیاں ہیں：“

جیا رام: ”خوب ابھی طرح تلاش کر لیا ہے؟“

نر ملا: ”ساراگھر تو چھان مارا، اب کہاں کھو جئے کو کہتے ہو؟“

جیا رام: ”آپ لوگ سو بھی تو جاتی ہیں۔ مُرودوں سے بازی لگا کر۔“

چار بجے مشی جی گھر میں آئے تو نر ملا ک حالت دیکھ کر دریافت کیا۔ گیسی طبیعت ہے؟ کہیں
درد تو نہیں ہے؟ یہ کہہ کر انہوں نے آشا کو گود میں اٹھالا۔
نر ملا：“کوئی جواب نہ دے سکی، پھر ورنے لگی؟”

کھنگلی نے کہا۔ ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ میری ساری عمر اسی گھر میں کٹ گئی۔ آج تک
ایک پیسے کی چوری نہیں ہوئی۔ دنیا بھی کہے گی کہ کھنگلی کا کام ہے اب تو بھگوان ہی اب رکھیں۔“
مشی جی اچپکا کے ملن کھولی رہے تھے۔ پھر ہٹن بند کرتے ہوئے لوگ لے۔ کیا ہوا؟ کیا
کوئی چیز چوری گئی؟”

بھبھی：“بھوجی کے سارے گھنے اٹھ گئے۔”

مشی جی：“رکھے کہاں تھے؟”

نر ملانے سکیاں بھرتے ہوئے رات کا سماں اوقعتہ بیان کر دیا۔ مگر جیارام کے
صورت والے آدنی کے اپنے کرے سے نکلنے کی بات نہ کہی۔ مشی جی نے آہ سرد بھر کر کہا۔ اشیور
بھی بڑا ایسا لیا ہے جو مرے ہیں انہیں کو مارتا ہے۔ معلوم ہونا ہے کہ بھرے دن آگئے ہیں۔
مگر چور آتا تو آیا کہ ہر سے؟ کہیں نقاب نہیں ہوئی، اور کس طرف سے آئے کا راستہ نہیں۔
ہیں نے تو شکوئی اور چنناہ بھی نہیں کیا جس کی وجہے یہ سزا مل رہی ہے۔ بار بار کہتا رہا کہ یہ نہ یوں
کا صندوق تھا حق بید نہ رکھو گر کوں ستا ہے؟”

نر ملا：“میں کیا جانتی تھی کہ یہ غصب ٹوٹ پڑے گا۔”

مشی جی：“اتنا تو جانتی تھیں کہ سب دن برا بر نہیں جاتے۔ آج بندا نے جاؤں تو دس
ہزار سے کم نہ لیں گے۔ پھر آج سکل انہی جو حالت ہے۔ وہ تم سے پوشید و نہیں ہے۔ خروچ بھر کو
مشکل سے ملتا ہے، زیور کہاں سے نہیں گے؟ جاتا ہوں۔ تھانے میں اطلاع کئے آتا ہوں،
مگر لئے کی امید نہ سمجھو۔”

نر ملانے معتراضاً نسبت لجھ میں کہا۔ جب جانتے ہیں کہ تھانے میں اطلاع کرنے سے کچھ نہ ہوگا،
تو کیوں جا رہے ہیں؟”

مشی جی：“دل نہیں مانتا اور کیا، اننا بڑا نقصان اٹھا کر فاموش تو نہیں بیٹھا جاتا۔”

نر ملا：“ملتے والے ہوتے تو جاتے ہی کیوں؟ تقدیر کئے نہ تھے تو کیسے رہتے؟”

مشی جی：“تقدیر کئے ہوں گے تو مل جائیں گے۔ ورنہ گئے تو ہیں ہیں۔”

مشی جی کمرے سے نکلے۔ نر ملانے ان کا ہاتھ کپڑ کہا۔ میں کہتی ہوں، زجاو کہیں
ابسا نہ ہو، لینے کے دنبے پڑ جائیں۔”

مشی جی نے ہاتھ چھڑا کر کہا۔ قبھی کمی پھول کی سی خدکر رہی ہو، دس بیڑاں کا نقصان ایسا نہیں ہے جس کو میں لوٹھنی برداشت کر لوں۔ میں روٹھنی پڑا ہوں مگر میرے دل پر جو کچھ گزر رہی ہے وہ میں بھی جانتا ہوں۔ یہ چوتھ میرے یونچے پر گلی ہے۔ مشی جی اور کچھ نہ کہہ سکے جھلا بھرا آیا۔ وہ تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکلے۔ تھانہ دار ان کا بہت لحاظ کرتا تھا۔ میں ایک بار شوت کے مقدمہ سے دھا کر اچھے تھے۔ وہ ان کے ساتھی لفیش کرنے آپنچا نام تھا الدیار خاں۔

شام ہو گئی تھی۔ تھانے دار نے مکان کے آگے پیچھے گھوم گھوم کر رکھا۔ اندر جا کر نر ملا کے کمرے کو غور سے دیکھا۔ اور پر کی منڈپر کی مالیخی کی اور تپ مشی جی سے لولا جناب (اصائی فرم) یہ کسی باہر کے آدمی کا کام نہیں۔ خدا کی قسم اگر تو میں باہر میں اوس نکلے تو میں آج تھانے دار میں کرنا چھوڑو دو۔ آپ کے گھر میں کوئی ملازم تو ایسا نہیں کہہ جس پر آپ کو شبہ ہو؟“

مشی جی: ”گھر میں آج کل صرف میری ہے۔“

تھانے دار ناچی، وہ یا اگل ہے، یہ کسی ٹبرے شاطر کا کام ہے، خدا کی قسم!“

مشی جی: ”تو گھر میں اور کون ہے؟ میرے دونوں لڑکے ہیں، بیوی ہے اور بہن ہے، ان میں سے کس پر شبہ کروں؟“

تھانے دار: ”خدا کی قسم، گھری کے کسی آدمی کا کام ہے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ انشاء اللہ دو چار روز میں آپ کو اس کی خبر دوں گا۔ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مال بھی سب سے جادگار مگر خدا کی قسم، چور کو ضرور سکپڑ لوں گا۔“

تھانے دار چلا گیا تو مشی جی نے اگر نر ملا سے اس کی باتیں کہیں۔ نر ملا سہم گئی بول آپ تھانے دار سے کہہ دیجئے کہ لفیش ذکریں۔ میں آپ کے پیروں پر قوت ہوں۔“

مشی جی: ”آخر کیوں؟“

نر ملا: ”اب کیوں بتاؤں؟ دکھہ رہ جئے کہ گھری کے کسی آدمی کا کام ہے؟“

مشی جی: ”اسے لکنے درو۔“

جیا رام اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا شور کو باد کر رہا تھا۔ اس کے سر پر ہوا بیان اڑی تھیں۔ وہ سن چکا تھا کہ پورے دالی چہرے سے بھانپ جاتے ہیں، باہر نکلنے کی جہت نہ پڑتی تھی۔ دونوں آدمیوں میں کہا باتیں ہمدرہ ہیں ہیں پر جانت کہے وہ بے قرار ہو رہا تھا۔ جو ہی نھا نہیں دار چلا گیا اور بھنگ سی کام سے باہر نکلی تو جیا رام نے بوجھا۔ تھانے دار کیا کہہ رہا تھا میں کی؟“